(خ-ص)

رخصت اے بزمِ جہاں!

کتنے ہی رفقاء و احباب اِس دُنیا کی عارضی امتحانی زندگی سے فارغ ہو کر ابدی زندگی کے جہانِ پُراسرار میں جا چکے ہیں۔ ان مسافرانِ حیاتِ ابدی کی قطار میں مولانا نثار احمد جیسا عالم و خطیب اور مربّی و مزکّی شخص بھی شامل ہو گیا۔ مولانا مرحوم ضلع ہزارہ سے تعلق رکھتے تھے، وجیہہ اور خوش گفتار اور مزاح پسند تھے۔ پاکستان میں تحریکِ اسلامی کی نمایاں خدمات امیر ضلع ہزارہ کی حیثیت سے انجام دیں۔ چند سال سے وہ برمنگھم (برطانیہ) کی جامع مسجد کی امامت و خطابت کے ساتھ ایک دینی مدرسے کے نگرانِ اعلیٰ کی ذمہ داریاں بھی ادا کر رہے تھے۔ گویا برمنگھم میں ایک اسلامی سنٹر بن گیا تھا۔ عالمِ فانی سے ان کا رخصت ہو جانا باعثِ قلق ہوا۔ خدا مولانا نثار پہ ہزار در ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔

دوسرے مخلص ساتھی عبدالحمید خاں انسان تھے، جو سیالکوٹ کے امیر رہ چکے تھے پھر لاہور کی جماعت میں کام کیا۔ بہت انکسار پسند اور خوش اخلاق تھے۔ ہسپتال میں زیرِ علاج تھے ۲۹ جولائی کو انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی رُوح پر مغفرت نازل کرے۔ نیز ان کی طرح کے اور "انسان" تحریک کو عطا فرمائے۔ آمین!

سرِ خاکِ شہیدے....

محترم ملک غلام علی صاحب اور میں ۱۹۴۱ء سے چلنے والے قافلۂ حق میں اوّل روز سے شامل تھے، لہٰذا ہمارا تعلق بھائیوں جیسا رہا۔ ان کی نیکی کا ایک مظہر عزیزم انعام اللہ خاں کا دو بار جہادِ افغانستان میں شریک ہو کر ۱۹ اگست کو ہوزۂ لغمان میں کابل کی فوج کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو جانا ہے۔ وصیت کے مطابق ان کی تدفین وہاں ہی کی گئی۔ شہید کے والدین کے سامنے اظہارِ غم سے زیادہ ہدیۂ تبریک پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی رُوح رحمتِ حق کی کرنوں کے جھرمٹ میں ہو گی۔

سرِ خاکِ شہیدے، برگ ہائے لالہ می پاشم (اقبال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

میں اس وقت سیاسی حالات کی آلودگیاں دیکھ کر اور اس کی انسان آزاریاں اور انصاف کی غارت گریاں دیکھ کر اس درجہ آلم رسیدہ ہوں کہ ایک بڑی اہم بحث کو سیاست کے دائرے سے نکال کر تاریخ و اجتماعیات کے فلسفیانہ دائرے میں لے جا رہا ہوں۔ اب تو کوئی سیاسی آلائش آئے گی تو بس ایسے جیسے ایک وادی پر بہار سے گزرنے والے آدمی کو کئی جگہ ندی نالے عبور کرنے پڑتے ہیں، جن میں بہت گدلا پانی آرہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ٹخنوں پنڈلیوں پر کچھ میل کچیل رہ جائے جسے بعد میں صاف کیا جا سکتا ہے۔ مگر میری اصل بحث سیاست سے متعلق ہونے کے باوجود غیر سیاسی ہے۔

ہماری قومی ملّی اور اجتماعی زندگی کی اصل الجھن کیا ہے؟

میرا جواب یہ ہے ہماری ساری مصیبتیں ایک خاص مرض کی وجہ سے ہیں، جو پاکستان کے نشوونما پانے کے ساتھ ساتھ مزمن اور سخت تکلیف دہ ہوتا جا رہا ہے۔ جب تک ہم اس بیماری کی تشخیص نہ کرلیں کوئی نجات ممکن نہیں۔

ہماری ملّی زندگی کی اصل الجھن کیا ہے؟

اس بیماری کی وجہ سے ہمارا اب تک کا دَور، جبر و آمریت، فسطائیت، مارشل لا، اور "غیر جمہوری جمہوریتوں" کے تحت گذرا ہے، جس کی وجہ سے ہم اپنے پڑوسی ملک کے مقابلے میں سست رفتار اور پست مقام رہے ہیں (تجارت، صنعت، ڈپلومیسی وغیرہ پہلوؤں کے مدنظر)، جس کی وجہ سے ہماری اخلاقی سطح مسلسل گرتی چلی آرہی ہے اور

جرائم اور جرائم نوازی اور مجرمین کی سرپرستی کا سلسلہ روبہ ترقی ہے، جس کی وجہ سے ہم اپنی ملی وحدت کی ناقابلِ شکست قوت کو پارہ پارہ کر کے علاقائیت، نسلیت، لسانیت، فرقہ داریت اور طبقہ پرستی اور برادری نوازی، نیز اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے سیاسی دھڑوں کی علمبرداری میں مست ہیں۔ جن کی اساس کسی معقول عقیدے، نظریے، اُصول، اخلاق اور مشن پر نہیں ہے، بلکہ محض تعصبات اور مفاد اور باہمی تصادم اور انتقام در انتقام کے چکر چلائے جا رہے ہیں، اور جس مرض کی وجہ سے ہمارے عوام مارشل لا رہو یا "جمہوری قبا" کبھی بھی اپنے حقوق، معاشی مفاد، سیاسی مساوات اور سماجی مساوات سے بہرہ مند نہیں ہوئے، جس کی وجہ سے ہم سامراجی اور اسلام دشمن اور پاکستان دشمن قوتوں کے تلووں پر بوسے دے دے کر ان سے بھیک بھی لینے کے ماہر ہو گئے ہیں اور اُن کی خوشامد کے فن میں یکتائی کے مقام پر ہیں۔ اور جس کی وجہ سے افکار، ادب، صحافت، ابلاغی وسائل، سیاسی تقاریر اور مذہبی تصورات، سبھی سے ہم اہلِ پاکستان انتشار کی قوتیں حاصل کر کے کسی مقصد کے لیے متحد نہیں ہو سکتے۔

سیدھی سی دو ٹوک بات یہ ہے کہ اول تو ہماری قوم مسلمان ہے، پھر اس قوم نے تحریکِ مجاہدین، تحریکِ خلافت اور آخر میں تحریکِ پاکستان کے فیضان سے اپنے دینی رجحانات کو مسلسل پرورش دی ہے۔ چنانچہ پاکستان بنتے ہی کروڑوں انسانوں میں یہ اُمید تروتازہ ہو گئی تھی کہ بس اب اسلامی زندگی کا دَور شروع ہو رہا ہے۔ مگر لادینیت پسندوں اور جاہ پرستوں اور فرنگیت مآبوں نے اسے بار بار مایوسی کے زخم لگائے، مگر اسے کبھی قراردادِ مقاصد نے نئی زندگی دی، کبھی اسلامی دستور اور اسلامی نظام کی تحریک نے افاقہ سکھایا۔ کبھی یہ علماء کے ۲۲ متفقہ دستوری اُصولوں کے نشے میں جھوم گئی، کبھی دستور کی طرف سے علماء کے اسلامی کمیشن کے مژدہ نے اسے ایمانی بہار کا پیغام دیا۔ شراب بندی نے اسے سرمست کیا، حدود کے نفاذ نے اسے روشن اسلامی مستقبل کے خواب دکھلائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے وجود اور اس کے بھرپور کام نے اس کی مقدس آرزوؤں کو تازہ کر دیا، پارلیمنٹ

ہیں شریعت بل کے آنے پر یہ دم روکے انتظار کرنے لگی کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔[1]

اب سیدھا سادا سوال یہ ہے کہ اسلام یا کچھ اور؟

کچھ اور سے مطلب یہ ہے کہ آپ سیکولرازم چاہتے ہیں؟ لبرلزم چاہتے ہیں؟ سوشلزم چاہتے ہیں؟ کھلی بے قید زندگی چاہتے ہیں؟ منکرات و فواحش سے دل بہلانا پسند کرتے ہیں؟ شراب کی ندیاں بہانا چاہتے ہیں؟

اگر آپ ایسا کچھ چاہتے ہیں تو مسلمانوں کی یہ قوم جس کے ذہنوں پر فکری اثر علامہ اقبالؒ کا ہے، سیاسی و قانونی اثر قائداعظم کا ہے اور دینی طرزِ فکر اور اسلامی نظام کی تفصیلات کے سلسلے میں بہت گہرا اور روز بروز پھیلتا ہوا، بلکہ پاکستان کے باہر کے مسلم ملکوں میں بھی اور یورپ اور امریکہ میں بھی فروغ پاتا ہوا اثر مولانا مودودیؒ کا ہے۔ (میں ان دوستوں سے معافی چاہتا ہوں جنہیں اس نام کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہوگی)۔

ان تین شخصیتوں کے اثرات جس قوم میں وسیع لٹریچر، تقریروں، دروس، تربیت گاہوں اور گفتگوؤں کے ذریعے ہر صبح اور شام پھیل رہے ہیں، اس میں اگر آپ اسلام سے ٹکرانے یا اُس کی نفی کرنے والی کوئی بھی فکر یا ہیئت کا رلے کے چلیں گے تو دس کروڑ کی اس قوم میں تو بار بار خلجان، انتشار، نفرت اور تصادم کی لہریں اٹھیں گی۔ نتیجہ یہ کہ وہ ساری خرابیاں اور بڑھیں گی جو اس وقت بھی عذابِ الٰہی کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔ یہ اپنی قوم سے مستقل لڑائی

---

[1] راقم کو چونکہ شروع سے اس ساری کشمکش میں شریک رہنے اور حالات و رجحانات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور زندگی کا بڑا حصہ اسی معرکۂ عشق میں گذر گیا، اس لیے پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر میں نے ترجمان القرآن کے اشارات میں ایک بار واضح تجزیہ کر کے لکھ دیا تھا کہ شریعت بل کی مخالفت و مزاحمت کے لیے جو بے شمار قوتیں کام کر رہی ہیں، وہ اس کو کبھی پاس نہ ہونے دیں گی۔

چھیڑنے کا راستہ ہے۔ اب یہ کھیل کہاں تک چلے گا کہ انتخاب کے وقت غیر اسلامی ذہن و کردار کے ساتھ اس قوم کے سامنے آپ اسلام اسلام پکارا کریں اور جب اقتدار مل جائے تو پھر اوّل تو اسلام کا قصہ ہی گول کریں، ورنہ سیاسی الجبرے کا یہ نیا فارمولا استعمال کریں کہ اسلام کے معنی ہیں، لادینیت، سوشلزم، مغربی جمہوریت، عُریانی و فحاشی، مخلوط ثقافتی تفریحی مجالس، عورت کی خوشی کے لیے قرآن و حدیث کے نصوص میں تبدیلی — اور اگر اس لغویت کے خلاف آوازیں اُٹھیں تو آپ کہیں کہ یہ فنڈامنٹلزم ہے اور پھر فنڈامنٹلزم کو دبانے کے لیے آپ "ڈنڈامنٹلزم" استعمال کریں۔

اِس میں شک نہیں کہ آپ اپنے ساتھ قادیانیوں کو ملالیں، عیسائیوں کو ملالیں، اسمٰعیلیوں کو ملالیں، قمّیوں کو ملالیں، سندھ کے ہندوؤں کو ملالیں، ڈاکوؤں کو ملالیں اور اُوپر سے رُوس اور امریکہ اور اسرائیل اور بھارت کی سرپرستی حاصل کرلیں تو اسلام سے محبت کرنے والی قوم کو چاروں طرف سے آپ زد میں لے سکتے ہیں۔ مگر یہ انتباہ سامنے رہے کہ تاریخ میں یہ تخریبی ڈرامہ ہر مسلم معاشرے کے اسٹیج پر بے وقوف جاہ پرست بار بار کھیلتے آئے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کی قوتوں کو بھی تباہ کرتے ہیں اور خود بھی تباہ ہوتے ہیں — لیکن اسلام پھر اپنی نئی کونپلیں دلوں میں نکال کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ابھی روسی ترکستان (خصوصاً بخارا) میں آپ دیکھ لیں کہ لادینیت نے جبریت کے بلڈوزر بار بار پھروائے اور چار نسلیں یہ سب کچھ بے بسی سے سہتی رہیں ان کو قرآن اور مسجد سے بھی محروم کر دیا گیا۔ مگر اب چوتھی نسل (کچھ) اور پانچویں نوخیز نسل اسلام کو لے کے اُٹھ رہی ہے — ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام۔

پھر کیوں نہ آپ اسلام کے خلاف اس جنگی کارروائی کو یک قلم بند کر دیں۔ لوگوں کے ایمانوں کو دیکھیں، وہ جس قرآن کو روز پڑھتے ہیں اُس کو سمجھیں، وہ جس تاریخ سے گذر کر آرہے ہیں، اُس پر نظر ڈالیں، وہ جس دَورِ سعادت اور خلافتِ راشدہ کو اپنے لیے نمونہ

سمجھتے ہیں، اس کا مطالعہ کریں، وہ جن تاریخی شخصیتوں سے محبت کرتے ہیں، اُن کے کارنامے سامنے رکھیں۔ پھر عوام الناس کے دینی نمائندوں پر مشتمل کوئی مشاورتی ادارہ (اسلامی نظریاتی کونسل کی طرح کا) بنا کر اس سے پوچھیں کہ قوم کیا چاہتی ہے۔ پھر جو کچھ سامنے آئے، پورے ایمان اور زندہ ضمیری کے ساتھ اُسے نافذ کر دیں۔

اِس راستے پر دس سال کے لیے چل کر دیکھیے کہ کیا نتائج نکلتے ہیں۔

جرائم پر آپ کو کیسے قابو حاصل ہوتا ہے۔ تفریق پیدا کرنے والے تعصبات کتنی آسانی سے ختم ہوتے ہیں، معاشی ترقی کی رفتار کتنی بڑھتی ہے۔ خیانت و رشوت کا سلسلہ کس تیزی سے ختم ہوتا ہے۔ آپ کی فوج اور اسلحہ ساز ادارے کس نئی رُوح سے مالا مال ہوتے ہیں۔ آپ کو عالمِ اسلام میں کیا نیا مقام حاصل ہوتا ہے، ملحدانہ تہذیب اور سامراجیوں کی غلامی اور مغرب کی تقلید اور یہود و ہنود کی عیاریوں سے نکل کر آپ کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں۔

نہیں منظور تو پھر تیسری بات سُنیے۔

تیسری ضروری بات یہ ہے اور اس پر بہت غور کرنا چاہیے کہ سوال جمہوریت کے ہونے نہ ہونے کا نہیں ہے اور ہے تو اس معنی میں ہے کہ ملک کی بھاری اکثریت کے رجحانات کے مطابق حکومت چلائی جائے، ان کے مسائل معلوم اور حل کیے جائیں۔ بصورتِ دیگر حکومت اور عوام کے درمیان ایک خلا پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اُدھر کا کنارہ اِدھر، اور اِدھر کا کنارہ اُدھر! نہ وہ آگے بڑھتا ہے، نہ یہ پیچھے ہٹتا ہے، بلکہ روز بروز دُور تر ہوتے جاتے ہیں۔ درمیانی خلا بڑھتا جاتا ہے۔

یاد رکھیے "خلا محال ہے قدرت کے کارخانے میں"۔ آپ اسلام کو یہ خلا بھرنے نہیں دیتے، کوئی اور صورت نہیں ہے۔ لازماً کوئی نہ کوئی قوت اس خلا کو بھرتی ہے۔ یہ تاریخ کا اٹل قانون ہے۔

اس خلا کو دو طرح کی قوتیں بھر سکتی ہیں:

۱- کوئی بیرونی قوت (اور اس وقت کئی بیرونی قوتیں کمین گاہوں میں بیٹھی میزائیلوں کو نشانوں پر فِٹ کیے ہوئے ہیں)۔

۲- اندرونی قوت (جسے آپ مارشل لا کہتے ہیں)۔

مارشل لا کو گالیاں دیں، اس کے خلاف نفرت پھیلائیں، اسے زنجیروں میں باندھ دیں۔ مگر آپ کسی بیرونی قوت کو کیسے باندھ کے رکھیں گے۔

میں ہرگز نہیں چاہتا اور ہرگز نہیں کہتا کہ مارشل لا کی بات دماغ سے قریب تک ہو کے گذرے۔ تباہ ہونا منظور ہے، مگر مارشل لا منظور نہیں۔

سوال صرف یہ ہے کہ پھر وہ خلا کیا نتیجہ پیدا کرے گا جو آپ کی حکیمانہ پالیسیوں کی وجہ سے روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔

کوئی تیسری قوت آپ تجویز فرمائیں!

---

(۲)

ستمبر پھر آگیا۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک اہم مہینہ ہے، خصوصاً اس کے ۱۷ دن۔ جہاد کے دن[1]!

بھارتی جارحیت پسندوں سے ہمارا سپاہی جس جذبۂ ایمانی، ذوقِ جہاد اور شوقِ شہادت کے ساتھ لڑا۔ ان کی برکت سے ہماری ملّی تاریخ کے نہایت درخشاں ابواب فضا میں قدرت نے سنہری حروف میں لکھے اور ان کی جھلملاہٹ پوری دنیا میں پاکستان کی اور ہماری چکاچوند پیدا کر رہی ہے۔

---

[1] ماہِ ستمبر اس لحاظ سے بھی "ستم بر" اور ستم گر بن کے آتا ہے کہ ہم سے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور آپا حمیدہ بیگم کی جدائی بھی اسی ماہ میں ہوئی تھی۔ یہ ہستیاں بھی تادمِ آخر خدائی مشن کی راہ میں کام کرتے ہوئے جب ختم ہوئیں تو یقیناً انہیں بھی شہادت ہی کے مقام پر سرفراز کیا گیا ہوگا۔